سخنان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب۔۔۔۔۔۔۔۔۔قبلہ وکعبہ

ہجری وعیسوی (قمری وشمسی) سال کے ایک ہوئے مہینوں کا ساتواں پینگ بھی ملاحظہ ہو۔ ساتے کی بات بھی نرالی ہے۔ قرآن نے سات آسمانوں کی بات کی ہے۔ ہمیں نہیں معلوم یہ آسمان کتنے نرالے ہیں، ہم تو اپنی زمین کو بھی زیادہ نہیں جانتے بس اپنی کچھ سطحی معلومات کی بنا پر ہم دھرتی چیر کر ہیرے جواہر نکال لاتے ہیں (ظاہری چمک دمک اور شکل وصورت کے دیوانوں نے اس ہیرے کو انمول بنا دیا ہے اور کارآمد صنعتی ہیروں کو کوڑی کے مول کر دیا ہے۔) ویسے ساتے کے نرالے پن کا رشتہ بھی بڑا پرانا ہے۔ ہفتہ کے دنوں کو دیکھ لیجئے۔ اس وقت تک ہم اپنی زمین کو کائنات کا سب کچھ سمجھتے تھے، اتنا سمجھتے تھے کہ دنیا اسی کے گرد گھومتی تھی (ہمارے زعم میں)۔ زمین کو مرکز کون ومکان بنا بیٹھے تھے۔ اس وقت تک ہماری نظر میں سات آسمانی کرے (Bodies) آئے، سب کو زمین کا سیارہ بنا دیا تھا اور ہر ایک کے نام ہفتہ کا ایک ایک دن منسوب کر دیا تھا۔ آسمانی ہیروں کے جھرمٹ میں ہمیں ایک جٹ سات ستارے بھی دکھ گئے تھے جنھیں ہم نے سپت رشی (सप्तऋषि) کا نام دیا تھا۔ اس گٹ میں ساتوں کی حیثیت کو ثبات تھا، اسی لئے انھیں رشی کہہ بیٹھے۔ شاید اس لئے بھی کہ ان سات سے دور کا رشتہ رہا، تو انھیں رشی کہا۔ رشی سے دور کا رشتہ ہونا ہی چاہئے ورنہ یہ تو ہم سے دنیا کو دور کرا دیں۔ ہم سات سے بھی دور کا لگاؤ رکھتے ہیں تبھی تو سات سمندر پار کر دیتے ہیں۔ خیر سمندر کو تو سات بنا سکتے ہیں لیکن سات قرآن کہاں سے ہمارے محاورے پر نازل ہو گئے کہ ہم وقت بے وقت سات قرآن بیچ کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید تو وحدہٗ لاشریک کا کلام ہے، اپنے میں ایک ہے اور بے جوڑ، بے مثال تبھی تو اتنا بڑا اور سخت چیلنج کر دیتا ہے، للکارتا ہے کہ ہے کوئی مائی کا لعل جو اس کے چھوٹے سے چھوٹے سورے کا بھی جواب لے آئے۔ اس وقت کے عرب تو اپنی فصاحت وبلاغت پر نازاں اور زبان وبیان کا غرہ سر میں پالے ہوئے تھے، ان بولنے والے جیوٹ عربوں کی بولتی بند ہو گئی تھی، اپنی عاجزی کا اعتراف کر لیا تھا لیکن پتہ نہیں اردو کے محاورہ سازوں کو کیا سوجھی کہ سات قرآن 'وضع' کر ڈالے۔ یہ بات بس کہنے تک رکھی ورنہ ہمارا ایمان خطرہ کے طوفان میں پڑ جاتا کہ پھر سات قرآن کو درمیان لانا پڑتا۔ خیر، ان کہی سنی باتوں کو چھوڑیئے۔ ویسے سات سے قرآن کا رشتہ بنیادی ہے۔ اس کا خاص سورہ، افتتاحی سورہ بلکہ کلیدی خطبہ **فاتحۃالکتاب** میں بھی تو سات آیتیں ہیں۔ کہتے ہیں یہ سورہ دو بار نازل ہوا، ایک بار مکہ میں اور پھر مدینہ میں، اسی لئے اسے سبع مثانی بھی کہتے ہیں جس کے معنیٰ 'دوہرا سات' ہوتے ہیں۔

(معاف کیجئے گا اس ترجمہ میں اگر کوئی خامی ہو، کیونکہ اس عبارت کا راقم عربی سے بے بہرہ ہے۔ اردو کے عرب داں اہل زبان یا عربی کے اردو داں اہل زبان اصلاح فرما دیں، تو عین کرم ہوگا۔)

سات کا یہ دہرانا کچھ ویسے ہی ہوا جیسے ہماری دنیا نے سات کے نرالے پن کو محسوس کر کے سات عجائبات عالم گنائے، پھر سات اور گنا دیئے۔ یعنی سبع مثانی کی لے میں لے ملا دی۔

بات کہنے کی ہے تو دیکھئے، غنیمت ہے ایک قرآن کو سات کر دیا لیکن ایک کعبہ ہے جو دوسرا اور آخری قبلہ ہوا، اس کے ہوتے ہوئے آج ہزاروں قبلہ و کعبہ بنا لئے گئے۔ امید ہے یہاں اپنی زبان کے معنی خیز لہجہ کا کرشمہ نہ دکھایا جاتا ہوگا۔ اپنی زبان کے ایک 'حضرت' کو ہی دیکھ لیجئے، کتنے رنگا رنگ کرداروں پر منطبق کر دیا جاتا۔ لیکن قبلہ و کعبہ کی بات کچھ اور ہی ہے۔ ہم کہنے کو ہی سہی قبلہ و کعبہ کہہ دیتے ہیں، کچھ نہ کچھ مان بھی لیتے ہیں اور کچھ سوچ کر ان کے پیچھے چل بھی دیتے ہیں اور ذرا سی بات پر یا کوئی بڑی سی سیاسی ٹائپ کی سمجھ سے ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے بھی پڑ جاتے ہیں۔ لیکن وضو کئے ہوئے اقبالؔ کی مسجد کے دو رکعت کے امام سے تو کہیں زیادہ ان کا لحاظ بھی کر لیتے ہیں۔ دل سے انھیں چاہے جتنا مانیں، جتنا بھی احترام دے لیں، ان کی بات پر چاہے جتنا زیادہ چلیں، ان پر چاہے جان تک چھڑک دیں، لیکن خدا جانتا ہے، انھیں قبلہ کعبہ والے مرتبہ کا ایک شمہ بھی دینے کے روادار نہیں ہوتے (یہ اندر کی بات ہے)۔ کہنے کو اگر کسی کو (ایرے غیرے نتھو خیرے کو نہیں، قابل کو) قبلہ و کعبہ کہہ لیں تو کیا جاتا ہے۔ اپنی اس تہذیب کی بات رہ جائے گی جس نے ایک ایک کا لحاظ کیا بلکہ ایک ایک (ہر ایرے غیرے تک کو) 'آپ' کا خطاب دیا۔ آپ کے معنی 'خدا' ہی تو ہے۔ ہماری تہذیب ہر مخاطب کو اتنا اونچا کر دیتی ہے جس کا کوئی تصور تک نہیں کر سکتا۔ کچھ ایسی ہی بات دوسری تہذیبوں میں بھی مل جاتی ہے۔ شری اور لارڈ [Lord جو عوام میں لاٹ صاحب ہمارے دل و دماغ میں اتنا رچ بس گیا کہ لارڈ کالن کے قبرستان کو کلن کی لاٹ بنا کر دم لیا۔ اب اس قبرستان کو جائز و ناجائز قبضوں نے اتنا پیچھے ڈھکیل دیا ہے کہ باہر سے دکھائی بھی نہیں دیتا۔ لارڈ کالن کی قبر غیبت میں جا چکی ہے لیکن کلن کی لاٹ زندہ سلامت ہے۔] کی بات ہے، یہ دونوں لفظ اصل میں خدا سے ہی منسوب اور مخصوص تھے۔ اب عام بول چال کیا، سرکاری برتاؤ میں بھی 'شری' لفظ سب کے لئے اور 'لارڈ' کچھ خاص کے لئے عام ہو گیا۔ جہاں تک 'قبلہ و کعبہ' کی بات ہے، خدا جھوٹ نہ بلوائے، (داستان گو کا تکیہ کلام جھوٹ نہیں، وہ جھوٹ تو اب قصہ پارینہ ہو چکا ہے۔) اس کا سرا شاہی دربار تک جاتا ہے۔ ایک بڑے ہی محترم و مقتدر مولانا کو 'قبلہ و کعبہ' کا خطاب دیا گیا تھا۔ شاہی خطاب تھا، شاہ کے نام پر عوام نے (کہا جاتا ہے کہ العوام کالانعام 'عوام چوپائے جانور' بادشاہ کے دین پر ہوتے ہیں) اس خطاب کو سر آنکھوں قبول کر دل و جان کر لیا۔ یہاں تک دور دہلی کے نوشہ میاں چچا غالبؔ جو اپنے زمانہ میں اپنے علاوہ صرف پونے دو شاعروں کے وجود کو ہی منظوری دیتے تھے، انھوں نے بھی 'قبلہ و کعبہ' کہا ہی نہیں لکھ کر دستخط و مہر بھی کر گئے۔ قبلہ و کعبہ کے خطاب میں شاہی کی بو تو ضرور آتی ہے لیکن یہ کیا ہے، ہر شاہی ترکہ کو خیر باد کر دیا جائے۔ قبلہ و کعبہ کو رہنے دیجئے خطاب کے طور پر (لقب کے طور پر نہیں) شاہی میراث کے طور پر نہیں، اپنی جاتی ہوئی، بھاگتی ہوئی، بکھرتی ہوئی تہذیب کے نام پر۔ تاریخ دربار بھی خوش ہو جائے گی، تہذیب بھی کھل اٹھے گی اور عمامہ بھی پھولے نہ سمائے گا۔ (خدا کرے عمامہ اتنی سی بات پر اکڑے نہ، اترائے نہ، ویسے سچا برحق عمامہ اکڑ خوں پال بھی نہیں سکتا۔ سچ میں، تکبر کا پابند تکبر کر بھی نہیں سکتا۔)

بات زبان و تہذیب کی آ پڑی ہے تو آپ سمجھتے ہی ہوں گے ہر زبان (اور تہذیب) کا اپنا ہی مزاج ہوتا۔ کوئی لفظ چاہے جس (دوسری) زبان کا ہو، اس زبان کے مزاج کے مطابق تلفظ اور معنی مطلب میں ڈھل جاتا ہے۔ وہ کون مائی کا لعل، باپ کا سپوت ہوگا جو

قرآن کے کہے ''وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا'' پر چل کر ہی اپنے ماں باپ پر احسان کر سکے! وہ کون سا فاضل ہوگا جو 'صحبت می کنم' کا سیدھا سادہ لفظی ترجمہ کر سکے! اور اپنی تہذیب وشرافت کا دامن بچا لے جائے۔ ہم تو 'ظ' سے ظریف کو مسخرا، جوکر ہی سمجھتے ہیں، بچپن سے ہی ہمارے ذہن ودماغ میں وہ تصویر نقش ہے، ہم کیا جانیں عربی والے ظریف سے کیا مراد لیتے ہیں، کیا کیا بڑے، کھلے گہرے معنی نکال لیتے ہیں۔ [عربی والے ہمارے ذخیرۂ الفاظ کی کمی پر ہمیں کچھ نیچا نہ کریں ورنہ ان کے 'ہنڈے' کو دھتا بتانا ہم خوب جانتے ہیں۔ وہ شاید 'ہنڈے' کا جواب ہی نہ لا سکیں۔ وہ تو ہمیں تہذیب وشرافت کا کچھ لحاظ ہے، ورنہ اگر اپنی 'مادری' زبان میں بکنے پر آجائیں تو انہیں چھٹی کا دودھ یاد آجائے، ان کی ساری بولتی (جس کے دم پر ہر غیر عرب کو عجم یعنی گونگا کہا کئے ہیں) بند ہو جائے گی، ساری عقل ٹھکانے لگ جائے، ہماری اس زبان کا ترجمہ بھی کرتے نہ بن پڑے گا۔] قرآن کی قسم، اپنے رسولؐ، اپنے معصومین کا پاس ہے (جن کی مادری زبان عربی تھی) کہ ہم ان عربی دانوں کی سن ہی نہیں لیتے، انھیں سر پر بٹھاتے ہیں۔

بہرحال، ان سب باتوں کو چھوڑیئے، زبان اور اس کے مزاج کی بات چلی تھی۔ ہر زبان اپنے مزاج کے موافق اپنے یا دوسری کے لفظوں کو اپنا معنی مطلب دیتے ہیں۔ اس طرح ابلاغی راہ میں ہم بھی خود کفیل ہیں۔ (ہم بولنے پر آجائیں تو یہ عربی انگریزی والے ہماری تیزی کی گرد بھی نہیں پا سکتے) اسی لئے 'قبلہ وکعبہ' کے معنی ہمارے اپنے ہیں، ہمارے Patent کئے ہوئے ہیں اور ہماری کاپی رائٹ (Copy right) ہے۔ ہمارے یہ حقوق کم از کم خدا کی آخری حجتؑ کے ظہور تک تو محفوظ رہنے کے بعد میں جو بھی حکم قائم ہوگا ہم اسی پر قائم ودائم رہیں گے۔ انشاءاللہ۔

'شعاع عمل' کا جو شمارہ آپ کے ذوقِ تطہیر ادب کے ہاتھوں میں ہے، وہ اسی حجت حقؑ سے اور اس کے جد سید الشہداء سے معنون ہے۔ یہ **'شعاع عمل'** کی 'ایڈوانس نظری' ہے کہ ایک مہینہ بعد کا سامان پہلے سے مہیا کرا دیتا ہے۔ اسے 'ایڈوانس ماہنامہ' کہنا بے جا نہ ہوگا۔ ویسے یہ اپنے دامن میں ماضی کے نمونہ کچھ زیادہ ہی لے آتا کہ مجھ جیسا پیشہ ور نکتہ چیں، پھبتی کش، یہ کہنے لگا کہ اس کے مضمون اور نظمیں قبروں سے آتی ہیں۔ (اس کے مستثنیات بھی ہیں، لیکن وہ اس کج مج بیاں کے قلم کے ڈھب بے ڈھب کچھونے میں نہیں کیونکہ وہ ابھی قبر سے نہیں تو مقبرہ سے آتے ہیں) لیکن بے چارے بھولی بھالی صورت والے، **'شعاع عمل'** کے مدیر مسئول برا تک نہیں مانتے۔ برا لگنا تو دور، ایک سمجھ دار مدیر و منتظم تو نکتہ چینی کو جگانا چاہتا ہے ؎

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار　　خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

اگر کہیں کسی گوشہ سے برا سا فیل (Feel) کرتے ہوں گے تو خاموشی اور متانت کے ساتھ میری 'بے ڈھب نگاری' کو نکال بھی دیتے ہیں، یعنی انتقاماً (جو شرعاً جائز بھی ہے) میری جہالت کو کھلے بندوں ثبت بھی کر دیتے ہیں کہ 'جا تو بڑا اڑا اڑا پھرتا ہے، تجھے بند نہ کر دوں تو سہی'۔

دیکھا، آپ نے بھی میری کج مج بیانی کا تجربہ کیا۔ بات کس مبارک مہینہ کی چل پڑی تھی اور میں کہاں لے اڑا۔ یہ ماہ شعبان جسے رسول مقبول ختمی مرتبت نے اپنا مہینہ کہا، اپنے اندر کم از کم دو تین بڑی سعادت وبرکت والے دن سمیٹے ہے۔ ایک آنحضرتؐ کے پیغام، سلام کو بقاء دوام بخشنے والے آپؑ کے چھوٹے نواسیؑ (بیٹے) کی ولادت یمن اثر کا دن، دوسرے آنحضرتؐ ہی کے سلسلہ نجابت

وہدایت کی آخری کڑی، ہمارے امام، امام زمانہ، آرزوئے اسلام کے آخری سہارے کا ضوفشاں ورود مسعود۔ روایت کی رو سے زین عبادت، زینت دہ عبودیت کی پیدائش ناز آفرینش بھی اسی مہینہ میں ہوئی۔ ان تینوں نازکوکون ومکان ہستیوں میں عصمت وہدایت کے علاوہ جو مشترک ہے وہ بقائے اسلام یا تقدیر دین حق.....اور سرنامۂ جاء الحق.....' (کہیں اسی لئے تو نہیں، جناب رسالتمآبؐ نے اس مہینہ کو اپنا کہا!)۔ بقائے اسلام کے اسی سلسلہ کی ایک وفادار کڑی جان وآرزوئے علیؑ حضرت عباسؑ کی مرادوں بھری ولادت بھی اسی ماہ میں ہے۔ اس مہینہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں کسی معصوم کے غم کی تاریخ نہیں۔ ہاں، امام معصومؑ کے ایک وکیل وسفیر کی وفات ضرور ہے۔ وہ وکیل وسفیر جو امامؑ اور مومنین کے بیچ باقاعدہ 'منصوص' رابطہ کی آخری کڑی رہے ہیں۔ وہ حجتِ امام، حضرت ابوالحسن علی بن محمد سمری ۱۵ر شعبان ۳۲۹ھ کو فات پا گئے اور پھر غیبت صغریٰ، غیبت کبریٰ میں بدل گئی۔ ہماری قسمت پر بڑا گہرا اندھیرا چھا گیا، اس میں بس ایک ہی کرن رہ گئی وہ ہے قیامت کا انتظار ودعائے ظہور ؎

جلد آ جلد نہ کر دیر اب آنے والے　　کہ گماں کرتے ہیں کچھ اور زمانے والے

اس چاند میں ایک در پردہ غم کا ہالہ بھی ہے۔ بروایتے چہارم شعبان ۶۰ھ کو مدینہ سے سفر امامؑ عالی مقام ہے ؎

چھوٹا وطن حسینؑ غریب الدیار سے　　بیٹے کے ساتھ فاطمہؑ نکلی مزار سے

مولانا سید برکات احمد نجمؔ زید پوری تلمیذ اوجؔ لکھنوی

یہ تاریخ کچھ، کرب نصیب دلوں میں اتنی رچ بس گئی ہے کہ ؎

آئے گی یاد چارم شعبان جو شبیبؔ　　پردیس میں حسین کو رویا کریں گے ہم

مولانا ڈاکٹر شبیبؔ زید پوری

م۔ر۔ عابد